© rasailojaraid.com

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم پر بارانِ رحمت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل گئے۔ جسم سے کچھ کپڑے اُتارے یہاں تک کہ جسم اطہر پر بارش برسی۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ آنحضورؐ نے ایسا کیوں کیا؟ آپؐ نے فرمایا: اس لیے کہ یہ رب کے پاس سے بالکل تازہ اتری ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، بیہقی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طرزِ عمل معرفتِ الٰہی کا درس ہے۔ بارش خود بخود نہیں آ گئی' اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نتیجہ ہے' جس طرح کوئی کاریگر نئی چیز تیار کرتا ہے' اس کو کاریگر کے ہاتھوں نے مس کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح کی سوچ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے بارے میں دی ہے کہ یہ متبرک ہے' رب تعالیٰ کے حکم اور ارادے نے اسے مس کیا ہے' اس لیے اس کو جسم پر لینے سے جسم کو فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ملے گی خصوصاً' جب کہ اس تصور کے ساتھ اسے جسم پر لیا جائے کہ اس کی رب تعالیٰ سے ملاقات تازہ بہ تازہ ہے۔

سبحان اللہ! تازہ بارش ہو یا فصل' سبزیاں ہوں یا پھل' کائنات کی سرسبزی اور شادابی میں سے ہر ایک کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کتنا قوی اور مضبوط ہوگا' اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی معرفت کے لیے قرآن پاک مختلف سورتوں میں بار بار اللہ تعالیٰ کی کارسازیوں اور کاریگری کا ذکر کرتا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جو کائنات اور قرآن پاک کے نورِ معرفت سے اپنے دل و دماغ کو منور کرتے ہیں۔

○

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنی حارثہ قبیلے کے ایک شخص حرملہ بن زید (جو نفاق کی بیماری میں مبتلا تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، دوزانو ہوکر بیٹھ گئے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ایمان یہاں پر ہے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا یہاں پر نفاق ہے۔ یہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر تھوڑا۔ رسولؐ اللہ نے ان کی بات سنی لیکن خاموش رہے۔ حرملہ نے اپنی بات پھر دہرائی۔ اس پر رسولؐ اللہ نے حرملہ کی زبان کو کنارے سے پکڑا اور یوں دعا فرمائی: ''اے اللہ! حرملہ کو سچّی زبان اور شکرگزار دل عطا فرما اور میری محبت اور مجھ سے محبّت کرنے والوں کی محبت سے سرفراز اور ان کا انجام بخیر فرما''۔

حرملہ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کچھ منافق میرے دوست ہیں اور میں ان کا سربراہ تھا، میں ان کے نام آپؐ کو نہ بتلا دوں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا (ابھی اس کی ضرورت نہیں) جو ہمارے پاس اس طرح آئے گا جس طرح آپ آئے ہیں تو ہم اس کے لیے اسی طرح استغفار کریں گے جس طرح آپ کے لیے کیا ہے، اور جو اپنے نفاق پر ڈٹا رہے گا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ (کنزالعمال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی، رسول اور نامزد حکمران تھے۔ آپؐ نے اپنی سیرت طیبہ اور اخلاق حسنہ سے ایسا ماحول اور معاشرہ تشکیل دیا جس کو محبت و الفت اور سکون و اطمینان کی چادر اور چھت نصیب ہوئی۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپؐ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر'' کے عجیب و غریب اور دل کش مناظر دنیا نے دیکھے۔ انھی مناظر میں سے ایک حسین منظر حرملہ کا لپک کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا ہے اور آپؐ کا اسے محبت اور اپنائیت سے نوازنا، ان کی زبان کو اپنے دستِ مبارک میں پکڑ کر ایسی دعا دینا کہ جس سے ان کی زندگی کی کایا پلٹ گئی، نفاق کے بجاے اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔

ایک منظر تو یہ ہے اور آج ایک دوسرا منظر بھی ہمارے سامنے ہے وہ منظر مخالفین کا تعاقب کرنا، تلاش و جستجو کر کے انھیں انتقام کا نشانہ بنانا اور کچل کر رکھ دینا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت کا منظر یہ ہے کہ حرملہ مخالفین کے نام پیش کش کرتے ہیں لیکن آنحضوؐر انکار فرما دیتے ہیں۔ اس کے بجاے منافقین اور مخالفین کو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ وہ آئیں گے تو انھیں دعائیں ملیں گی، ان کے ساتھ بھی ہمدردی و غم گساری کا رویہ اپنایا جائے گا، اور اگر نہیں آئیں گے تو بھی ان کی چادر اور چاردیواری کا تقدس پامال نہیں ہوگا۔ ان کا تعاقب نہیں ہوگا بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا۔

یہ ہے وہ معاشرہ جو رحمت للعالمینؐ کی ذاتِ اقدس کی برکت سے وجود میں آیا، جس میں الفت و محبّت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدل و احسان، سکون و اطمینان اور ایک دوسرے کو دھتکارنے اور مٹانے کے بجائے قریب کرنے اور سینے سے لگانا ہے۔ کاش! یہ دل کش سوسائٹی پھر سے وجود میں آ جائے۔ کوئی تصور کر سکتا ہے کہ اس طرح کی سوسائٹی کسی کے لیے خطرہ ہو سکتی ہے؟ کیا دہشت گردی، انتہا پسندی اور بے صبری کا اس کے قریب سے بھی گزر ہو سکتا ہے؟

O

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جبیر! کیا تمھیں یہ بات پسند ہے جب سفر پر نکلو تو اپنے تمام ساتھیوں سے زیادہ خوش شکل ہو اور سب سے زیادہ زادراہ تمھارے پاس ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! ہاں، میں یہ چاہتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: اگر ایسا ہے تو پھر سفر پر نکلتے وقت پانچ سورتیں قل یا ایھا الکافرون، اذاجاء نصراللّٰہ، قل ھو اللّٰہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھ لیا کرو۔ ہر سورت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرو اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر ان کی قرأت کو ختم کرو۔ حضرت جبیرؓ کہتے ہیں میں دولت مند تھا۔ میرے پاس مال زیادہ تھا لیکن اس سے پہلے جب سفر پر نکلتا تو میری شکل بہت خستہ حال اور زادراہ بہت تھوڑا ہوتا تھا۔ اس کے بعد جب میں نکلتا تو سفر سے واپسی تک زیادہ خوش شکل اور سب سے زیادہ زادراہ والا ہوتا تھا۔ (مجمع الزوائد، ۱۰/۱۳۴)

سفر میں آدمی کی ایک ضرورت یہ ہوتی ہے کہ اس کا لباس، وضع قطع، شکل و شباہت اچھی ہو اور دوسری ضرورت یہ ہوتی ہے کہ زادراہ زیادہ ہو۔ ان دونوں ضرورتوں کے لیے ظاہری ساز و سامان کا انتظام کرنا ضروری ہے لیکن اصل سامان اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد ہے کہ وہی حالات کو سازگار کرنے والی اور برکت دینے والی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ایک ذریعہ وہ پانچ سورتیں ہیں جن کی رہنمائی رسولؐ اللہ نے فرمائی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بذاتِ خود حجت ہے۔ مزید برآں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تجربے سے جو چیز ثابت ہو جائے اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں رہتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت جبیرؓ نے اپنا تجربہ بیان فرما دیا ہے۔ آج ہم بھی رسولؐ اللہ کے ارشاد کے روشنی میں ان کے تجربے کو پیش نظر رکھ کر اپنے سفر کی ان دو ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔

○

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کے ہاں تشریف لے گئے جو بیماری کے دباؤ کے سبب چوزے کی طرح لاغر ہو گیا تھا۔ رسولؐ اللہ نے اس سے پوچھا: آپ نے کوئی دعا کی تھی؟ اس نے عرض کیا: میں دعا کرتا تھا: ''اے اللہ! آپ نے مجھے جو سزا آخرت میں دینی ہے وہ دنیا میں دے دیجیے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یہ دعا کیوں نہ کی: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ:۲۰۱) ''اے اللہ! مجھے دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے''۔ اس نے یہ دعا شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی۔ (کنز العمال، ج ۱، ص ۲۹۰)

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ذات ہے۔ اس سے ایسی دعا کی حاجت نہیں جس میں سودا اور لین دین ہو کہ آخرت کی سزا دنیا میں ہو جائے۔ ایسا معاملہ انسانوں کا انسانوں سے ہوتا ہے کہ وہ معاف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والی ہستی ہے۔ اس لیے اس سے معافی مانگنی چاہیے اور یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائے اور دنیا میں بھی۔

بعض اوقات انسان ایسی دعا کر بیٹھتا ہے کہ اس کے سبب تکلیف سے دوچار ہو جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں جس شخص کا تذکرہ ہے وہ اپنی دعا کے سبب تکلیف میں مبتلا ہو کر انتہائی کمزور ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوسری دعا سکھلائی جس کی بدولت اس دعا کے اثرات زائل ہو گئے اور اس شخص کی صحت بحال ہو گئی۔ کیسا خوش قسمت شخص تھا جسے رسولؐ اللہ کا دست شفقت اور آپؐ کا بتلایا ہوا نسخۂ شفا نصیب ہو گیا۔ آج بھی جسمانی اور روحانی بیماریوں اور تکالیف سے نجات کے لیے یہ دعا اکسیر ہے۔

اعتذار: ○ شمارہ جولائی ۲۰۰۵ء، ص ۴۸ آیت درست اعراب کے ساتھ اس طرح ہے: لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ ○ ص ۳۰ پر صحابی کا نام حضرت ابوامامہؓ الباہلی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکر: اک جذبۂ احسان شناسی

ڈاکٹر محمد وقاص ○

شکر وہ جذبۂ احسان شناسی ہے کہ جس سے مومن کا قلب ہر لمحہ معمور رہنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراھیم ۱۴:۷)

اور یاد رکھو، تمھارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔

شکر کا مفہوم

شکر کیا ہے؟ اس کی کیفیات کیا ہیں؟ پروردگار کا شکر گزار بندہ بننے کے لیے کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

شکر کے اصطلاحی معنی ہیں رب العالمین کی نعمتوں کا اعتراف اور ان کی قدر کرنا اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ضابطے کے مطابق اِن کا استعمال کرنا۔ اس لحاظ سے جذبۂ شکر کی تسکین کے دو مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ زبانی اقرار ہے، یعنی قولاً شکر گزار ہونا۔ دوسرا مرحلہ ہے عملاً شکر گزار بندہ بن جانا۔

○ ڈائرکٹر، لالہ رخ ماڈل اسکول، واہ کینٹ۔ رکن صوبائی اسمبلی، پنجاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قولی شکرگزاری کے دو پہلو نہایت نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ اپنے رب کی نعمت کا اعتراف کرے۔ چنانچہ فرمایا: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ ۹۳:۱۱) ''اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو''۔ اس تذکرے اور اعتراف سے' بندۂ مومن کی نظر تمام اسباب اور وسائل سے ہٹ کر اللہ رب العالمین پر جم جاتی ہے۔ اسی سے اُس کے قلب و ذہن سے شرک کے تمام آثار نکل جاتے ہیں اور وہ حقیقی معنوں میں توحید اپنا لیتا ہے۔ چنانچہ دیگر نعمتوں اور ضروریاتِ زندگی کے حصول اور مصائب و آلام سے بچنے کے لیے انسان کی نظر' لامحالہ بارگاہ ایزدی کی جانب ہی اُٹھتی ہے۔

قولی شکرگزاری کا دوسرا پہلو منعمِ حقیقی کی حمد و ستایش ہے۔ جب بندے کا دل جذبۂ تشکر و احسان شناسی سے لبریز ہو تو' زبان سے رب العالمین کی حمد و ستایش کے کلمات بے اختیار ادا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی باقاعدہ تربیت فرمائی اور اُنھیں ہر نعمت سے مستفید ہونے کے بعد الحمدللہ کہنا سکھایا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

کسی بندے نے اللہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا: يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ، (اے اللہ تیرے لیے ایسی حمد ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی اور تیری عظیم سلطنت کے شایانِ شان ہو)۔ تو فرشتے اِس سے اتنے متحیر ہوئے اور فیصلہ نہ کر سکے کہ اس کا احاطہ کیسے کریں۔ چنانچہ وہ بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوئے اور عرض کی: بارِالٰہ! تیرے فلاں بندے نے ایسی بات کہی جس کا احاطہ کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بندے نے کیا کہا تھا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سوال کیا: میرے بندے نے کیا کہا تھا؟ فرشتے عرض پرداز ہوئے' اُس نے کہا: ''اے اللہ! تیرے لیے ایسی تعریف ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی اور عظیم سلطنت کے شایانِ شان ہو''۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ایسا ہی لکھ دو جیسا اُس بندے نے کہا۔ کل قیامت کے دن جب وہ مجھ سے ملے گا میں خود اُسے اِس کا اجر دوں گا۔ (ابن ماجہ)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ اُن کے دل میں اہل و عیال کا خیال آیا' اور اُن کے بارے میں قدرے متردّد ہوئے۔ اثنائے راہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا: اے موسیٰؑ! فلاں پتھر کو اپنے عصا سے ٹھوکا دو۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ اُس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ایک اور پتھر برآمد ہوا جسے توڑنے کا حکم دیا گیا۔ غرض یکے بعد دیگرے سات پتھر برآمد ہوئے جنھیں توڑنے کا حکم دیا گیا۔ ساتویں پتھر میں ایک کیڑا موجود تھا جس کے منہ میں تازہ پتا تھا۔ ابھی حضرت موسٰیؑ محوحیرت ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰیؑ کی قوتِ سماعت کو اس قابل بنایا کہ وہ کیڑے کی آواز سن سکیں جو اپنی زبان میں رب کی حمد بیان کر رہا تھا:

پاک ہے وہ جو مجھے دیکھ رہا ہے' جسے میرے ٹھکانے کا علم ہے' جو میری بات سن رہا ہے' جو مجھے یاد رکھتا ہے اور کبھی نہیں بھولتا۔

یہاں سوچنے اور غور وفکر کرنے کی بات یہ ہے کہ جب غیر عاقل مخلوق میں اِس قدر جذبہ احسان شناسی موجود ہے تو انسان جو کہ اشرف الخلائق ہے اُسے تو سب سے بڑھ کر رب کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں تفسیر تدبر قرآن میں مولانا امین احسن اصلاحی نے دودھیل بکری کی مثال بیان کی ہے کہ جس طرح اُس کے تھن دودھ سے لبریز ہوں اور ذرا سے لمس سے دودھ نکلنا شروع ہوجائے' بالکل اسی طرح مومن کا دل شکروسپاس کے جذبات سے لبریز رہتا ہے اور جیسے ہی رب کی کسی نعمت کا اسے احساس ہوتا ہے یہ جام چھلکنا شروع ہوجاتا ہے اور اُس کی زبان سے اپنے رب کی حمدوستایش کے کلمات بے اختیار جاری ہوجاتے ہیں۔

قولی شکرگزاری کی طرح عملی شکرگزاری کے بھی دو ہی پہلو ہیں۔ ایک: نعمت کی قدروحفاظت' دوسرے: اُس کا جائز استعمال۔ ایک شخص جسے صحت جیسی نعمتِ عظمٰی سے نوازا گیا ہو' اُس پر لازم ہے کہ وہ اِس نعمتِ رب کا شکرادا کرے۔ اس کا عملی شکر یہ ہے کہ وہ اس کی قدر کرے اور صحت کو تباہ کرنے والے عوامل سے اجتناب کرے۔ اُن غذاؤں' مشروبات اور معمولات سے اپنے آپ کو بچائے جو صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ پھر اس صحت اور توانائی سے بھرپور استفادہ کرے۔ اپنی صلاحیتوں' اوقات کار اور وسائل کو اللہ کی بندگی' رسولؐ اللہ کی اطاعت اور رزقِ حلال کے حصول میں صرف کرے۔ معاملات میں اللہ کی قائم کردہ حدود کا احترام کرے۔

نعمت ہدایت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی ضروریات کا اہتمام کیا۔ رزق' لباس اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راحت کے اسباب مہیا کیے۔ دن کو کام کاج اور رات کو آرام کے لیے بنایا' بالکل اسی طرح اس نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کا بھی انتظام فرمایا۔ اُس نے انسان کو عقل وفکر' نیز سماعت و بصارت سے آراستہ کیا اور وحی و رسالت کے ذریعے اُس کے سامنے ایک صاف سیدھا اور کشادہ راستہ کھول دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر ۷۶:۳)

ہم نے اسے راستہ دکھا دیا' خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

گویا جو بندہ نعمتِ ہدایت کو قبول کرتا ہے' صراط مستقیم کو اپنا لیتا ہے' وہی دراصل اس کا شکر ادا کرتا ہے اور جو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی اس کو چھوڑ کر شیطان کی راہوں پر بھٹکتا ہے وہی دراصل ناشکر گزار ہے' یعنی کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کے بعد نعمت ہدایت کا شکر یہ بھی ہے کہ بندہ اسے اپنے تک محدود نہ رکھے' بلکہ مسلسل اس کی اشاعت کا فریضہ سرانجام دیتا رہے۔ بندہ جب خود روشنی میں ہے تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ اُن بندوں کو روشنی کی طرف لے کر آئے جو اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ شکر کے اس جذبے کو پروان کیوں کر چڑھایا جائے۔

معرفتِ نعمت

بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہر پل نگاہ رکھنی چاہیے۔ بہت ساری نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کو انسان سرے سے نعمت خیال ہی نہیں کرتا' یا اُن کی اتنی اہمیت اُس کی نظر میں نہیں ہوتی جتنی کہ ہونی چاہیے۔ یہی چیز بعدازاں ناشکری کو جنم دیتی ہے' مثلاً انسان کو اِس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اسے اللہ کی کتنی نعمتیں حاصل ہیں۔ انسان ہر پل سانس لیتا ہے' لیکن اکثر اوقات اُسے احساس ہی نہیں رہتا کہ وہ رب العالمین کی کتنی بڑی نعمت سے مفت میں فیض یاب ہو رہا ہے' وہ نعمت جس پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے! اس نعمت کی قدر اس تصور سے ہوسکتی ہے کہ آدمی ہر سانس لینے کے بعد یہ سوچے کہ شاید یہ زندگی کا آخری سانس ہو اور اس کے بعد اگر سانس لینے کا

© rasailojaraid.com